قرنِ اوّل کے مفسّرین

حافظ سیّد رشید احمد ارشد[1]

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو نازل کرکے عالمِ انسانیت پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ قرآن حکیم کے نازل ہونے سے نہ صرف عالمِ انسانیت تباہی سے محفوظ ہوئی بلکہ زبردست اور مظلوم اقوام بھی ظالموں سے نجات حاصل کرکے ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہوئیں۔ لہٰذا ایسی محسن کتاب کی تشریح و توضیح کرنا اور اس پر عمل کرنے کے لیے انسانوں کو آمادہ کرنا پیغمبرِ انسانیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس فریضہ رہا۔

قرآن کریم بتدریج نازل ہوا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام بعض دفعہ چند آیات لے کر آتے تھے اور بعض اوقات کوئی مختصر سورت نازل ہوتی تھی۔ آغازِ وحی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آیات کو وحی کے موقع پر یاد کرنے اور محفوظ کرنے کا بہت شوق تھا۔ اس لیے جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ جلدی سے اس آیت کو دوہرانے کی کوشش فرماتے تھے تاکہ وہ آیت یاد ہو جائے۔ آپ کو یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں آپ اسے بھول نہ جائیں۔ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورت قیامت کی یہ چند آیات نازل فرمائیں۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ

(اے پیغمبر) آپ اپنی زبان کو اس لیے حرکت نہ دیں کہ جلدی سے اسے (قرآن کریم) سیکھ لیں ہم پر اس کے (حافظہ میں) جمع کرنے اور پڑھنے کی

---

[1] حافظ سید رشید احمد ارشد ایم۔ اے لیکچرار شعبۂ عربی، جامعہ کراچی۔

(ذمہ داری) ہے۔ جب ہم اسے پڑھوادیں تو تم اس　　　　(پارہ ۲۹۔ سورۃ القیامہ)
کے پڑھنے کی پیروی کرو۔ پھر ہم پر اس کے بیان کرنے کی (ذمہ داری) ہے۔

اِن آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو محفوظ رکھنے کی خود ذمہ داری لی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی آیات کی تشریح و تفسیر کے سلسلے میں جو کچھ ارشاد فرماتے تھے، وہ اللہ تعالیٰ کا بیان کردہ کلام ہوتا تھا۔ اس لیے ہمیں ان صحیح اور معتبر تفسیری احادیث کو تسلیم کرلینا چاہیئے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست منقول ہیں۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے سب سے پہلے مفسر خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔
احادیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ صحابۂ کرام کو جب قرآن کریم کے کسی لفظ یا عبارت کے بارے میں کوئی اشکال درپیش ہوتا تھا تو وہ اس اشکال کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرکے حل کرتے تھے۔ خود آپ بھی جہاں ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ قرآن کریم کی وقتاً فوقتاً توضیح و تفسیر فرماتے رہتے تھے۔ اس قسم کی تفسیری روایات کو بخاری، ترمذی اور دیگر کتب احادیث و تفاسیر میں الگ باب میں جمع کردیا گیا ہے۔

مفسر صحابۂ کرام

صحابۂ کرام میں مفسرین کی حیثیت سے مندرجہ ذیل حضرات زیادہ مشہور رہیں:۔
خلفائے اربعہ۔ حضرات عبداللہ بن مسعود۔ ابی بن کعب۔ زید بن ثابت اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم۔

مذکورہ بالا صحابہ کرام کے علاوہ حضرات ابوموسیٰ اشعری۔ عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن زبیر۔ جابر بن عبداللہ۔ ابوہریرہ۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہم۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور بعض دیگر صحابہ سے بھی تفسیری روایات منقول ہیں۔ مگر ان کی تفسیری روایات کی تعداد بہت کم ہیں۔ وہ اس کو مستقل فن کی حیثیت سے نہیں بیان کرتے تھے۔ بلکہ محدث ہونے کی حیثیت سے دیگر احادیث کے ضمن میں اپنے شاگردوں سے تفسیری روایات بھی بیان کرتے تھے۔

خلفائے اربعہ میں سے حضرت ابوبکر، عمر، عثمان سے بھی تفسیری روایات امورِ خلافت کی مشغولیت کی وجہ سے بہت کم منقول ہیں۔ حضرت زید بن ثابت بھی جمع قرآن میں زیادہ مصروف رہے۔ تاہم وہ اپنے

شاگردِ رشید حضرت عبداللہ بن عباس کو تفسیری علوم میں اپنا جانشین بنا گئے اور یہی فخر ان کے لیے بہت کافی ہے۔

وہ صحابۂ کرام جن کے ذریعے مشہور اسلامی شہروں میں علمِ تفسیر کے تدریسی مراکز قائم ہوئے جو ساری عمر قرآن کریم کے الفاظ و آیات کی توضیح و تفسیر میں غور و فکر کرتے رہے اور اپنے ذاتی اجتہاد اور تفسیر ماثور کے ذریعے معارفِ قرآنی کو اپنے تلامذہ کے وسیع حلقے تک پہنچاتے رہے، مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ حضرت علی ابن ابی طالب ۲۔ حضرت ابی بن کعب

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ۴۔ حضرت عبداللہ بن عباس

یہ چاروں حضرات قرآن کریم کی تدریس و تفسیر میں پیش پیش رہے۔ ان میں سے حضرت علیؓ کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے خطبوں میں بارہا فرمایا کرتے تھے:۔

"تمہیں کتاب اللہ کے بارے میں جو کچھ پوچھنا ہے، وہ مجھ سے میری زندگی ہی میں دریافت کر لو کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ کون سی آیت کہاں اور کب نازل ہوئی اور کس کے بارے میں اس کا نزول ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں دربارِ نبوی میں سوال کرنے کی زیادہ جرأت رکھتا تھا۔"[1]

چونکہ آپ نے تمام لوگوں کو تفسیر کے بارے میں سوالات کرنے کی اجازت دے رکھی تھی اور اس بنا پر اُس دَور کے مسلمان آپ سے قرآن کریم کے مطالب معلوم کرتے رہتے تھے۔ اس وجہ سے آپ سے تفسیری روایات بکثرت منقول ہیں مگر اُن کا بڑا حصّہ شیعی راویوں کی وجہ سے معتبر نہیں ہے۔ تاہم معتبر روایات کا خاصا تفسیری ذخیرہ آپ سے مروی ہے، جسے محدّثین کرام تسلیم کرتے ہیں۔ آپ کے تفسیری ذخیرہ سے مدینہ منورہ اور کوفہ کا علمی حلقہ مستفید ہوا۔ اور آپ کے علمی فیض سے ان دونوں مقامات میں بعض مشہور مفسّرین پیدا ہوئے جیسا کہ آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔

حضرت ابی بن کعب انصاری نے رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں قرآن کریم کی تعلیم و تدریس

---

[1] مرآۃ التفسیر صہ ۶۔

میں شہرت حاصل کر لی تھی۔ اور آپ نے انہیں سب سے بڑا قاریٔ قرآن کا خطاب دیا تھا۔ وہ عہدِ رسالت میں کاتبِ وحی بھی تھے اور جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو یہ حضرت ابی بن کعب ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے تفسیرِ قرآن مدوّن کی جسے طبری المتوفی سنہ ۳۱۰ھ نے اپنی مشہور تفسیر میں نقل کیا ہے۔ انہی کے بارے میں احمد طاش کبری زادہ المتوفی ۹۶۸ھ اپنی کتاب مفتاح السعادت میں یوں رقمطراز ہیں:۔

"حضرت ابی بن کعب کی تفسیر کا نسخہ ضخیم ہے جس کو ابو جعفر رازی بواسطہ ربیع بن انس از ابو العالیہ از ابی بن کعب روایت کرتے ہیں۔ یہ سند صحیح ہے۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور اسی طرح حاکم اپنی مستدرک میں اور امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں اسی (سند) سے روایت کرتے ہیں[1]"

حضرت عبداللہ بن مسعود فقیہہ اور محدث ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے مفسر بھی تھے۔ آپ بہت پہلے اسلام لائے تھے اور آخر دم تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے۔ نزولِ قرآن کی تاریخ اور قرآن کے رموز سے آپ بہت اچھی طرح واقف تھے اور حضرت علی کی طرح شانِ نزول اور متعلقہ واقعات سے بھی پوری طرح باخبر تھے۔ آپ نے درسِ تفسیر کے سلسلے کو کوفہ میں جاری کیا اور آپ کی تدریس سے فیض یاب ہو کر کوفہ اور بصرہ کے نامور تابعی مفسرین پیدا ہوئے جن کا ذکر آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔ آپ کی وفات سنہ ۳۲ھ میں ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن عباس مذکورہ بالا صحابۂ کرام سے عمر میں چھوٹے تھے مگر ان سب حضرات اور خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علمی فیض حاصل کر کے بہت بڑے مفسر ہو گئے تھے۔ اپنی وسیع معلومات کی وجہ سے آپ حبر الامۃ اور ترجمان القرآن کے لقب سے مشہور تھے۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے حق میں یہ دعا فرمائی تھی:۔

اللھم فقھہ فی الدین و علمہ التاویل	اے اللہ! تو انہیں دین کی بصیرت اور قرآن کریم کی فہم عطا فرما۔

---

[1] مفتاح السعادۃ از احمد طاش کبری زادہ ج ۱ ص ۴۰۴ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۲۸ھ

آپ نے قرآن کریم کی تفسیر کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ آپ نے قرآن فہمی کے لیے اشعارِ عرب کا مطالعہ کیا۔ چنانچہ حافظہ قوی ہونے کی وجہ سے ہزاروں اشعار آپ کو ازبر تھے۔ مکہ معظمہ — جہاں آپ اقامت پذیر تھے۔ علمِ تفسیر کی تعلیم و تدریس کا بہت بڑا مرکز بن گیا اور دُور دراز مقامات سے لوگ حضرت ابنِ عباس سے استفادہ کرنے کے لیے مکہ معظمہ آیا کرتے تھے۔

آپ نے ایک تفسیر بھی لکھی تھی جس کا نسخہ تیرھویں صدی ہجری میں امام احمد بن حنبل کے زمانے تک موجود تھا۔ مفتاح السعادۃ میں مذکور ہے [1]۔

"امام احمد بن حنبل نے فرمایا: تفسیر کا ایک صحیفہ مصر میں پایا جاتا ہے جس کو علی بن طلحہ روایت کرتے ہیں۔ اگر کوئی اس کو حاصل کرنے کے لیے مصر کا سفر کرے تو یہ کوئی بڑا کام نہیں ہے۔" یہ وہ نسخہ ہے جس سے امام بخاری نے حضرت ابن عباس کے حوالے سے (باب التفسیر میں) روایات نقل کی ہیں۔ علی بن طلحہ اور حضرت ابنِ عباس کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے اور وہ مجاہد یا سعید بن جبیر ہیں۔ حافظ ابنِ حجر کا بیان ہے کہ یہ واسطہ مشہور و معروف اور ثقہ ہے اس لیے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباس کی وجہ سے علمِ تفسیر میں مکہ معظمہ کو جو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی تھی وہ آپ کے شاگردوں کی بدولت آپ کی وفات کے بعد بھی قائم رہی۔ اس مرکزی حیثیت کی مشہور محقق اور مفکرِ اسلام علامہ ابنِ تیمیہ اس طرح وضاحت فرماتے ہیں:۔

"اہلِ مکہ سب سے زیادہ تفسیر کے عالم تھے کیونکہ وہاں حضرت ابن عباس کے رفقائے کار اور شاگرد موجود تھے۔ مثلاً حضرات مجاہد، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، سعید بن جبیر اور طاؤس۔ کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے رفقاء اور تلامذہ تھے۔"

مدینہ کے علمائے تفسیر میں حضرت زید بن اسلم جیسے عالم تھے جن سے ان کے فرزند عبدالرحمٰن بن زید اور امام مالک نے تفسیر کا علم حاصل کیا۔" [2]

---

[1] مفتاح السعادۃ ج ا ص ا۴۰ ، تفسیر الدر المنثور از سیوطی ج ۶
[2] الاتقان از علامہ سیوطی ج ۲ ص ۳۲۳ و مقدمہ ابن تیمیہ فی اصول التفسیر ص ۱۵

علامہ ابن تیمیہ کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ ثابت ہوا کہ علم تفسیر کا اہم مرکز مکہ معظمہ تھا۔ اس کے بعد کوفہ تھا جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ کی بدولت قائم ہوا۔ آگے چل کر بصرہ میں بھی اس کی ایک شاخ قائم ہوگئی تھی۔ اس کے بعد مدینہ منورہ بھی تفسیر کا مرکز بنا جہاں حضرت زید بن اسلم کی بدولت امام مالک اور حضرت عبدالرحمن بن زید نے علم تفسیر کے تدریسی کام کو وسعت دی۔

اب ہم ان تابعی علمائے تفسیر کے حالات بیان کرتے ہیں جو مذکورہ بالا صحابۂ کرام سے فیض یافتہ تھے وہ نہ صرف اپنے اساتذہ کے علمی فیض کو آنے والی نسلوں کے دل و دماغ میں منتقل کرتے رہے بلکہ اپنے ذاتی اجتہاد اور غور و فکر سے تفسیری سرمایہ میں اضافہ بھی کرتے رہے۔ تا آنکہ طبری جیسے مفسر تیسری صدی ہجری میں پیدا ہوئے جنہوں نے ان قدیم مفسروں کے تمام علوم کو سمیٹ کر انہیں ضخیم جلدوں میں جمع کر دیا۔ اب انہی تابعی مفسروں کا مروی ذخیرہ تفسیر طبری اور دیگر کتب تفاسیر میں محفوظ ہے۔

تابعی مفسرین

ان حضرات نے قرآن کریم کی تفسیر میں مندرجہ ذیل ماخذوں سے استفادہ کیا:-
(۱) کتاب اللہ (۲) سنت نبوی (۳) تفسیر صحابہ (۴) اہل کتاب کی معلومات۔
(۵) ذاتی اجتہاد۔

تابعین کرام نے اپنے ذاتی اجتہاد اور رائے سے بھی قرآن کریم کی تفسیر کی ہے وہ اپنے ذاتی اجتہاد سے اس وقت کام لیتے تھے جب کسی آیت کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی کی روایت میں نہ پائی جائے۔ چنانچہ تابعی علماء نے تفسیری سرمایہ میں قابل قدر اضافہ کیا۔ یہ حضرات ذاتی اجتہاد کرنے پر یوں بھی مجبور ہوئے تھے کہ جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تو عجمی نو مسلموں کو قرآن کریم کی تفسیر کی ضرورت محسوس ہوئی۔ وہ اہل زبان نہیں تھے۔ اس لیے تابعی علمائے کرام اپنے شاگردوں کے وسیع حلقے کو مطمئن کرتے اور ان کی دقتوں کو رفع کرتے تھے۔

یہ تابعی علمائے تفسیر عہد صحابہ سے قریب تر تھے اس لیئے وہ عربی زبان اور قرآن کریم کے صحیح مفہوم سے واقف تھے۔ انہوں نے اس علم کو حاصل کرنے میں اپنی تمام عمریں صرف کر دی تھیں۔ نزول قرآن مجید کے عہد مبارک کے جملہ واقعات سے بھی باخبر تھے۔

یہ امر تعجب انگیز ہے کہ صحابی مفسرین سے فیض یافتہ تابعین کی اکثریت ان عجمی النسل غلاموں پہ مشتمل تھی جو بعد میں آزاد ہوئے۔ انہی عجمی غلاموں میں سے ایسے جلیل القدر علماء و فضلاء پیدا ہوئے جن کا خلفاء اور امراء نے بھی احترام کیا۔ اس زمانے میں ہر اسلامی شہر میں قرآن و حدیث کے اساتذہ موجود تھے تاہم خصوصی طور پر جہاں علم تفسیر کا چرچا رہا وہ یہ چار مقامات تھے :۔

(۱) مکہ معظمہ (۲) مدینہ منورہ (۳) کوفہ (۴) بصرہ

مکہ معظمہ — مکہ معظمہ کے تفسیری مرکز کے بانی حضرت عبداللہ بن عباس تھے۔ آپ کے حلقۂ درس کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ قرآن کریم کے مشکل الفاظ کی تشریح میں اشعارِ عرب کے حوالے دیا کرتے تھے۔ آپ کو کلامِ عرب پر عبور حاصل تھا۔ اسی لیے آپ کے شاگرد بھی عربی لغت و ادب کے بہت ماہر ہوئے۔ آپ کے مخصوص شاگردوں کا علمِ تفسیر میں اعلیٰ درجہ ہے۔ ہم ان میں سے چند مشہور ترین تلامذہ کے مختصر حالات بیان کرتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ سب کے سب آزاد کردہ غلام تھے۔

سعید بن جُبیر — آپ کا مکمل نام و نسب یہ ہے :۔ ابو عبداللہ سعید بن جبیر بن ہشام الاسدی الوالبی۔ آپ حبشی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور قبیلۂ اسد کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ نے مشہور صحابۂ کرام سے حدیث و تفسیر کی تعلیم حاصل کی۔ آپ حضرات عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود کے خصوصی تلامذہ میں سے تھے۔ علمِ تفسیر میں ان دونوں حضرات کے علم کے وارث ہوئے۔ آپ حضرت عبداللہ بن عمر کے خصوصی شاگرد بھی تھے۔

علمِ حدیث، فقہ اور تفسیر کے علاوہ آپ قرآن کریم کی تمام مشہور قراءات کے ماہر تھے۔ اس کے علاوہ دیگر علوم و فنون کے جامع بھی تھے۔ آپ کی وسعتِ معلومات کی وجہ سے حضرت ابن عباس نے انہیں کوفہ کا مفتی اپنی زندگی میں بنا دیا تھا۔ چنانچہ جب اہلِ کوفہ آپ کے پاس فتویٰ لینے کے لیے آتے تھے تو آپ فرمایا کرتے تھے "کیا تمہارے ہاں ام الدھماء کا فرزند سعید بن جبیر نہیں ہے"[1]

---

[1] : وفیات الاعیان از ابن خلکان ج ا ص ۳۶۵

آپ مسائل طلاق اور فرائض کے بہت بڑے ماہر تھے۔ فرائض میں وہ علمائے مدینہ کے استاد تھے۔ حضرت سعید بن جبیر حضرت ابنِ عباس کی احادیث اور دیگر روایات کے کاتبِ خصوصی تھے۔ آپ نے خلیفۂ اموی عبد الملک بن مروان کی درخواست پر ایک تفسیر لکھی تھی جو سب سے پہلی تفسیر ہے۔ یہ عبد الملک کے حکم سے خزانہ میں محفوظ کی گئی اور خیال کیا جاتا ہے کہ یہ تفسیر ۸۶ھ سے پہلے مدون ہوئی تھی۔ ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں اسے تفسیر سعید بن جبیر کے نام سے موسوم کیا ہے[1]

حافظ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ اپنی کتاب میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:-

"خلیفہ عبد الملک بن مروان نے حضرت سعید بن جبیر کو لکھا اور درخواست کی کہ وہ قرآن مجید کی تفسیر لکھ کر بھیج دیں۔ چنانچہ آپ نے یہ تفسیر اسے لکھ کر بھیج دی تھی۔"[2]

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں عطاء بن دینار الھذلی المصری کے حالات میں تحریر کیا ہے کہ وہ یہ تفسیر خلیفہ عبد الملک کے شاہی خزانہ سے حاصل کر کے اس سے روایت کرنے لگے تھے۔

سعید بن جبیر کے حالات میں مذکور ہے کہ آپ بلند پایہ مفسر ہونے کے باوجود اپنی رائے سے تفسیر کرنے سے گریز کرتے تھے اور تفسیر ماثور پر ہی اکتفا کرتے تھے۔ اس لیے خیال کیا جاتا ہے کہ آپ کی مذکورہ تفسیر تفسیر نبوی اور اقوالِ صحابہ پر مشتمل ہوگی۔

جہاں تک آپ کے علم و فضل کا تعلق ہے۔ تمام علماء اس کے بارے میں رطب اللسان ہیں۔ اسماء الرجال کے تمام علماء آپ کو قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں اور اس بارے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ بلکہ بعض علماء آپ کو حضرات مجاھد اور طاؤس پر مقدم سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت قتادہ جیسے مفسر قرآن کی یہ رائے ہے کہ حضرت سعید بن جبیر تابعین میں سب سے بڑے عالم تھے۔

---

[1] کتاب الفہرست ص ۵۱۔

[2] میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۹۷- طبع قاہرہ ۱۳۲۵ھ

آپ کلمۃ الحق کہنے میں بہت بے باک تھے۔ آپ حجّاج بن یوسف جیسے ظالم حکمران سے کبھی نہیں ڈرے۔ حجاج بن یوسف بھی ان کی بے باکی اور کلمۃ الحق کہنے کے باوجود آپ کا بہت احترام کرتا رہا۔ اس نے آپ کو جامع کوفہ کا امام مقرر کردیا تھا اور کچھ عرصہ تک کوفے کا قاضی بھی بنایا تھا مگر ان قدردانیوں کے باوجود آپ حجاج کے مظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے رہے اور جب محمد بن عبد الرحمٰن الاشعث نے حجاج کے خلاف بغاوت کی تو آپ اس کے ساتھ ہو گئے تھے۔ پھر جب ابن الاشعث کو شکست ہوئی تو مکہ معظمہ میں آپ کو گرفتار کرکے حجاج بن یوسف کے پاس بھجوادیا گیا۔ اس وقت حجاج کے ساتھ ان کا جو بے باکانہ مکالمہ اور مناظرہ ہوا، وہ تاریخ کے صفحات پر نمایاں طور پر مذکور ہے[48]۔ آخرکار حجاج نے آپ کو شہید کرادیا آپ کی شہادت سنہ ۹۳ھ یا بقول بعض سنہ ۹۴ھ یا سنہ ۹۵ھ میں ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر انچاس[49] سال تھی[50]۔

حضرت مجاہد بن جبیر ابوالحجاج حضرت مجاہد بن جبیر قبیلہ مخزوم کے ایک شخص سائب بن ابی السائب کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ عہدِ فاروقی میں سنہ ۲۱ھ میں پیدا ہوئے [illegible] صحابۂ کرام کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی اکتسابِ علم کیا۔ اور آپ کے خصوصی تلمیذ ہونے کا شرف حاصل کیا۔

حضرت ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں "میں نے دیکھا کہ حضرت مجاہد کے پاس لکھنے کی تختیاں ہوتی تھیں اور آپ حضرت ابن عباس سے قرآن کریم کی تفسیر دریافت کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس تفسیر بیان کرتے ہوئے یہ فرماتے تھے "اسے لکھ لو۔" مجاہد اسی طرح تفسیر لکھتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے قرآن مجید کی پوری تفسیر لکھ ڈالی۔"[51] غالباً یہی وہ تفسیر ہوگی جس سے امام بخاری نے باب التفسیر میں حضرت مجاہد کے تفسیری اقوال نقل کیے ہیں:-

---

[48] مکالمہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:— تابعین، مرتبہ شاہ معین الدین ندوی مطبوعہ اعظم گڑھ ص ۱۴۰، ۱۴۱ - ۱۳۹

[49] تہذیب التہذیب از ابن حجر عسقلانی جلد ۴ صفحہ ۱۳ - ۱۴

[50] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۲

آپ نے حضرت ابن عباس سے سبقاً سبقاً تفسیر قرآن کریم کا علم حاصل کیا تھا اور اسے قلم بند بھی کر لیا تھا اس لیے محقق علماء کی کثیر تعداد آپ کو تفسیر کا بہت بڑا عالم سمجھتی ہے۔ چنانچہ بخاری کے علاوہ صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں نیز امام شافعی نے بھی آپ کے تفسیری اقوال بکثرت نقل کیے ہیں۔

آپ کا حافظہ بھی بہت قوی تھا، جو بات سنتے تھے، حافظہ میں محفوظ ہو جاتی تھی اور حضرت ابن عباس کی طرح کسی چیز کو نہیں بھولتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کو بھی ان کے حافظے پر رشک ہوتا تھا اور وہ فرماتے تھے "کاش کہ نافع کا حافظہ بھی ان جیسا ہوتا"

حضرت سعید بن جبیر کے برخلاف حضرت مجاہد تفسیر بالرائے کے قائل تھے، جہاں انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے تفسیری اقوال نہیں ملتے تھے۔ وہاں آپ خود غور و فکر کر کے اپنے ذاتی اجتہاد سے تفسیر بیان فرماتے تھے۔ آپ بعض قرآنی آیات کے مفہوم کو تمثیل و تشبیہ پر محمول کرتے تھے اور ان کی عقلی تفسیر فرماتے تھے۔

مثلاً قرآن کریم میں ایک مقام پر یہ مذکور ہے کہ سبت کے احکام کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے یہودی اللہ کے حکم سے بندروں کی شکل میں مسخ کر دیے گئے تھے۔ حضرت مجاہد اس کی تفسیر میں یہ فرماتے ہیں کہ وہ حقیقی طور پر مسخ نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کی ذلت و خواری کو تمثیل کے طور پر بیان فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح ایک دوسری آیت میں آپ نے رویت باری تعالیٰ کے مفہوم کی تاویل کی ہے، جسے معتزلہ استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ حضرت مجاہد کی اسی طرح کی عقلی توجیہات کو بعض علمائے نے پسند نہیں کیا ہے۔ تاہم زمانے کی ضروریات کے مطابق آپ عقلی توجیہ و اجتہاد سے کام لیتے تھے۔

حضرت مجاہد پر یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ آپ اہل کتاب سے روایت کرتے تھے۔ مگر محقق علماء نے اس الزام کو بے بنیاد قرار دیا ہے کیونکہ حضرت مجاہد، حضرت ابن عباس کے شاگرد تھے جنہوں نے قرآن کریم اور احادیث نبوی کے مقابلے میں اہل کتاب کی تحریف شدہ روایات پر اعتماد کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اس لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت مجاہد اپنے استاد کی ہدایات کے خلاف اہل کتاب سے بلا تامل روایت کرتے ہوں۔ البتہ حضرت ابن عباس اور آپ کے شاگردوں نے، جن میں حضرت مجاہد بھی شامل ہیں

ایسے اہلِ کتاب معتبر صحابیوں اور مسلمان عالموں کی وہ روایات ضرور نقل کی ہیں، جو قرآن وسنت کے خلاف نہ تھیں اور اُن سے قرآن کریم کی آیات کی تفسیر میں مدد ملتی تھی۔ اور یہ چیز ظاہر ہے قابلِ اعتراض نہیں۔

تفسیر بالرائے کے مسلک کی وجہ سے بعض علماء جو اس مسلک کے حامی نہ تھے۔ آپ کی روایات سے گریز کرتے تھے۔ تاہم محقق علماء اور اسماء الرجال کے ناقد علماء نے آپ پر اعتماد کا اظہار کیا ہے چنانچہ حافظ ذہبی اور امام نووی نے آپ کو بہت بڑا عالم تسلیم کیا ہے[۱] خصیف کا بیان ہے "مجاھد تفسیر کے سب سے بڑے عالم تھے[۲]" حضرت قتادہ جیسے مفسرِ قرآن فرماتے ہیں "موجودہ بزرگوں میں مجاھد تفسیر کے سب سے بڑے عالم ہیں[۳]"۔ حضرت مجاھد قرأت، فقہ اور حدیث کے عالم بھی تھے۔ آپ مکہ معظمہ کے مفتیوں کی جماعت کے معزز رکن تھے[۴]۔ اس زمانے کے دیگر علماء کی طرح آپ دنیا سے بے تعلق تھے۔ اور خلوص کے ساتھ تعلیم وتدریس میں منہمک رہتے تھے۔ آپ کی ظاہری حالت نہایت سادہ ہوتی تھی، مگر جب آپ علمی گفتگو کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ موتی جھڑ رہے ہیں[۵]۔ آپ کے خلوص، وسعتِ علم اور کریمانہ اخلاق کی وجہ سے آپ کی بڑی عزت تھی۔ صحابۂ کرام بھی آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ بعض دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر جیسے جلیل القدر صحابی آپ کی سواری کی رکاب تھام لیتے تھے[۶]

آپ کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست میں جلیل القدر محدثین اور علماء کرام کے اسماء گرامی نظر آتے ہیں ان میں سے مشہور ترین تلامذہ یہ ہیں: حضرات عطاء، عکرمہ۔ ایوب سختیانی، ابن عون، عمرو بن دینار، ابو اسحاق سبیعی، قتادہ، ابو الزبیر مکی، سلیمان الاعمش۔

آپ کی وفات کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ بعض تاریخِ وفات سنہ ۱۰۰ھ لکھتے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ سنہ ۱۰۲ھ، سنہ ۱۰۳ھ میں بمقام مکہ معظمہ سجدہ کی حالت میں آپ کا وصال ہوا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر تراسی (۸۳) سال تھی[۷]

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ از ذھبی ج اول ص ۸۰ (۲) تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۸۳ [۳] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۰ [۴] اعلام الموقعین ج اول ص ۲۶ [۵] و [۶] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۰

[۷] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۳۴۴

حضرت عکرمہ

حضرت عکرمہ کا خاندان افریقہ کے بربری قبائل سے تعلق رکھتا تھا۔ اسلامی فتوحات میں یہ غلام بنا لیے گئے۔ اور آپ حصین بن الحر العنبری کی غلامی میں آئے جو آپ کا پہلا آقا تھا۔ اس کے بعد حضرت عکرمہ کو حضرت عبداللہ بن عباس کی غلامی کا شرف حاصل ہوا۔ جنہوں نے آپ کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا۔ ان کی نظر عنایت آپ پر اس قدر تھی کہ وہ ہر وقت آپ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے اور آپ کو قرآن کریم کی تعلیم سے مستفیض کیا کرتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت عباس آپ کی تعلیم کی طرف غفلت یا سستی دیکھتے تو آپ کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیتے تاکہ بھاگ نہ سکیں۔ استاد کی ان سختیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عکرمہ بہت جلد قرآن کریم کی تفسیر اور ہر آیت کے شان نزول سے بخوبی واقف ہو گئے اور آخر کار حضرت ابن عباس کے علمی ذخیرے کے صحیح وارث ثابت ہوئے۔

علماء آپ کو علم تفسیر و حدیث میں حضرات سعید بن جبیر، مجاہد اور عطاء بن ابی رباح سے بڑھ کر سمجھتے تھے۔ یہ حضرات بھی حضرت ابن عباس کے خصوصی تلامذہ تھے مگر ان علماء کے نزدیک حضرت عکرمہ نے اپنے استاد کی خصوصی توجہ سے بہت زیادہ علم حاصل کیا تھا اور آپ حضرت ابن عباس کی روایات کے نہ صرف جامع تھے بلکہ ان کے حافظ بھی تھے۔ اس لیے حضرات مجاہد اور ابن جبیر جیسے فضلاء بھی تفسیر میں آپ سے استفادہ کرتے تھے۔

حضرت عکرمہ کو حضرت ابن عباس نے اپنی زندگی ہی میں مفتی مقرر کر دیا تھا اور یہ ایسا اعزاز تھا جو بہت کم لوگوں کو میسر ہوا۔ آپ سیرت مغازی اور تاریخ کے عالم بھی تھے۔

آپ کے علم و فضل کی شہرت دور دراز کے ممالک تک پہنچ گئی تھی۔ جب آپ بصرہ تشریف لے گئے تو آپ کا شاندار استقبال کیا گیا۔ آپ کی زیارت کے لیے لوگ اس قدر جمع ہو جاتے تھے کہ راستہ چلنا مشکل ہو جاتا تھا۔ آپ کے دوران قیام بصرہ میں بصرہ کے مشہور بزرگ حضرت خواجہ بصری احتراماً درس اور فتویٰ دینا بند کر دیتے تھے۔ وہ آپ کے لیے مسند درس و افتاء خالی کر دیتے تھے۔ اور جو لوگ فتوی لینے یا کچھ پوچھنے آتے تھے تو انہیں حضرت عکرمہ کے پاس بھیج دیتے تھے۔

حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے ایک تفسیر بھی لکھی تھی اور اسباب نزول پر بھی

سب سے پہلے آپ نے ایک کتاب لکھی[۱]

آپ کے پاس ہر فرقہ کے لوگ طلب علم کے لیے آتے تھے، بالخصوص خارجی فرقہ کے بعض علماء اسلامی مسائل دریافت کرنے اور قرآن کریم کے مشکل مقامات کی تفسیر پوچھنے آیا کرتے تھے، اسی لیے بعض لوگ انہیں خارجی سمجھنے لگ گئے تھے۔ ان کے خلاف حضرات طاؤس، ابن عمر، سعید ابن المسیب اور علی بن عبداللہ بن عباس وغیرہ کی آٹھ روایات نقل کی گئی ہیں۔ ان سب کی تردید علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنے مقدمہ فتح الباری میں کی ہے[۲]

ان مخالفانہ روایات کے برخلاف جلیل القدر ائمہ کرام نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ان میں حضرات امام احمد بن حنبل، امام بخاری، نسائی، اسحاق بن راھویہ وغیرہ شامل ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جو اسماء الرجال کے متشدد نقاد ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، نسائی جیسی مشہور کتب حدیث میں، حضرت عکرمہ کی روایات کو صحیح اور قابل اعتماد سمجھ کر درج کیا گیا ہے۔ امام مسلم بن الحجاج ابتدا میں حضرت عکرمہ کے مخالف تھے، مگر بعد میں وہ بھی آپ کو ثقہ سمجھنے لگ گئے تھے اور آپ کو معتبر راوی قرار دے کر آپ کی روایات کو صحیح مسلم میں شامل کیا۔ آپ کی وفات ۱۰۴ھ میں ہوئی[۳]

حضرت عطاء بن ابی رباح

حضرت عطاء بن ابی رباح یمن کے قصبہ جند میں ۲۷ھ میں پیدا ہوئے آپ آل میسرہ بن ابی خیثم فہری کے غلام تھے۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس اور دیگر جلیل القدر صحابہ اور تابعین سے حدیث و تفسیر کی تعلیم حاصل کی[۴] کہا جاتا ہے کہ آپ نے دو سو صحابۂ کرام سے اکتساب علم کیا تھا۔

---

[۱] الفہرست از ابن ندیم ص ۵۱، ۵۷۔

[۲] مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۱۴۸

[۳] تہذیب التہذیب از ابن حجر عسقلانی جلد ۷، صفحہ ۶۳ - ۲۷۳

[۴] تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۱۹۹

علوم حاصل کرنے کے بعد آپ تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ آپ قرآن کریم کا مستقل درس دیتے تھے[1] آپ مکہ معظمہ کے مفتی بھی تھے۔ اس زمانے کے بڑے بڑے علماء اور محدثین آپ کو فتاویٰ میں تمام علمائے مکہ پر فائق سمجھتے تھے۔ بالخصوص مناسکِ حج کے آپ یکتا عالم تھے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک بھی اس مقصد کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا[2] حج کے زمانے میں حکومت کی طرف سے مسائلِ حج کے آپ ہی واحد مفتی تسلیم کیے جاتے تھے۔ اور اس بارے میں عام اعلان کر دیا جاتا تھا۔[3] حضرت عبداللہ بن عمر کو آپ پر اس قدر اعتماد تھا کہ وہ تفسیر اور دیگر مذہبی مسائل کے لیے عوام کو آپ کے پاس بھیجا کرتے تھے۔

آپ کے تلامذہ میں بڑے بڑے ائمہ کرام شامل ہیں ــــ امام زہری، مجاہد، اعمش، امام ابوحنیفہ۔ امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں "میں نے عطار سے افضل کسی کو نہیں پایا"[4] حضرت امام باقر بھی آپ پر اعتماد رکھتے تھے اور لوگوں کو ترغیب دیتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے، وہ حضرت عطار کے درس حدیث میں شامل ہوا کریں[5]

غرض حضرت عطار مکہ معظمہ کے مشہور ترین عالم تھے۔ چنانچہ زہری نے خلیفہ عبدالملک کے سامنے اور عطا خراسانی نے ہشام بن عبدالملک کے روبرو مختلف مقامات کے جن مشہور اکابر علمار کا تذکرہ کیا تھا ان میں ان دونوں علمار نے متفقہ طور پر مکہ معظمہ کے سب سے بڑے علمار میں صرف حضرت عطار بن ابی رباح کا نام لیا تھا[6]

علمِ تفسیر میں آپ کو مہارت حاصل تھی اور مکہ معظمہ کے مفسرین میں آپ ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ آپ نے بروایتِ صحیحہ ۱۱۴ھ میں وفات پائی۔

---

[1] طبقاتِ ابن سعد ج ۵ ص ۳۴۴
[2] تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۲۰۳
[3] تہذیب الاسمار جلد اول ص ۳۳۴
[4] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۸۶
[5] تہذیب الاسمار جلد اول ص ۳۴
[6] معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۹۸ و مناقب ابن حنیفہ۔

مدینۂ منوّرہ عہدِ نبوی و خلافتِ راشدہ کے بعد بھی صحابۂ کرام کی کافی بڑی تعداد مدینہ منورہ میں مقیم رہی۔ گو اموی دورِ حکومت میں مدینہ منورہ مرکزِ حکومت نہیں رہا تھا تاہم علومِ قرآن، حدیث اور فقہ کا سب سے بڑا مرکز یہی تھا۔ اور دور دراز سے لوگ یہیں آکر تحصیلِ علم کرتے تھے کیونکہ یہاں ہر علم کے ماہرین موجود ہوتے تھے۔ بلکہ مدینہ سنتِ نبوی معلوم کرنے کا مرکز بن گیا تھا یہاں تک کہ امام مالک اور دیگر علماء کے نزدیک اہلِ مدینہ کے معمولات شرعی حیثیت رکھتے تھے اور انہی معمولات کی بنیاد پر فقہ مالکی کی تدوین عمل میں آئی۔

حضرات عمر فاروق، علی، زید بن ثابت اور ابی بن کعب کی بدولت مدینہ منورہ میں ماہرین تفسیر موجود تھے بالخصوص ابی بن کعب کے خصوصی شاگردوں نے اس سلسلے میں بہت کام کیا۔ ان مفسرین میں سے یہ تین تابعی علماء زیادہ مشہور ہیں:-

حضرات ابو العالیہ ریاحی۔ زید بن اسلم اور محمد بن کعب القرظی

ان میں سے پہلے دو حضرات کے مختصر حالات درج کیے جاتے ہیں:-

حضرت ابو العالیہ ریاحی آپ کا اصلی نام رفیع بن مھران ہے، آپ قبیلۂ ریاح کی ایک عورت کے غلام تھے۔ اس نسبت سے ریاحی کہلاتے ہیں۔ آپ نے جاہلیت کا زمانہ دیکھا تھا۔ مگر بدقسمتی سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مسلمان نہیں ہوتے اسی طرح صحابی ہونے کے شرف سے محروم رہے۔ تاہم وہ آپ کے وصال کے بعد ہی مسلمان ہو گئے تھے مگر کچھ عرصہ تک غلام رہے۔ آخر کار ان کی مالکہ نے ان کے علم و اخلاق سے متاثر ہو کر اپنے رشتہ داروں کی مخالفت کے باوجود انہیں جامع مسجد میں لاکر علانیہ طور پر ان کی آزادی کا اعلان کر دیا۔

آپ نے غلامی کے زمانے ہی میں قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی اور عربی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا[۵]۔ جب آپ آزاد ہو گئے تو آپ نے تحصیلِ علم کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جماعت تابعین میں آپ قرآن کریم کے سب سے بڑے عالم بن گئے۔

---

[۵] طبقات ابن سعد جلد ۷ ق اول ص ۸۲

ابوبکر بن وارد کا بیان ہے "صحابہ کے بعد ابوالعالیہ سے بڑھ کر کوئی نہ تھا"[1]

ابن عماد حنبلی آپ کو مفسر کے نام سے یاد کرتے ہیں[2] اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ سید القرآء حضرت ابی ابن کعب کی تفسیر کے راوی اول تھے اور ان کے تلمیذ خاص تھے۔ اس تفسیر کو ابو جعفر رازی نے ربیع بن انس سے روایت کیا تھا اور انھوں نے حضرت ابوالعالیہ کے واسطے سے حضرت ابی کعب سے روایت کیا۔ محدثین نے اس سلسلۂ اسناد کو صحیح اور معتبر تسلیم کیا ہے۔ محمد بن جریر طبری اور ابن ابی حاتم نے اسی نسخہ سے حضرت ابی بن کعب کی تفسیری روایات اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں۔ اس طرح حضرت ابوالعالیہ کے ذریعے حضرت ابی بن کعب کا تفسیری سرمایہ اہل علم کے حلقوں تک پہنچا[3]

حضرت ابی بن کعب کے علاوہ آپ نے حضرات علی، ابن عباس اور ابن مسعود سے بھی اکتساب علم کیا۔ مفسر قرآن حضرت ابن عباس آپ کی علمی قابلیت سے بے حد متاثر تھے اور جب کبھی آپ ان کے پاس جاتے تھے تو غلام ہونے کے باوجود آپ کو اونچے مقام پر اپنے سامنے بٹھاتے تھے۔

آپ نے ۹۰ھ یا بقول بعض ۹۳ھ میں وفات پائی[4]

حضرت زید بن اسلم

آپ حضرت فاروق اعظم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن عمر سے اکتساب علم کیا ان کے علاوہ دیگر جلیل القدر صحابۂ کرام اور تابعین سے بھی احادیث کی روایت کی ہے۔ تحصیل علم کے بعد آپ نے مسجد نبوی میں اپنا حلقۂ درس قائم کیا۔ بڑے بڑے علماء آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنا باعث افتخار سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام بخاریؒ اپنی تاریخ میں بیان کرتے ہیں: "حضرت زین العابدین، علی بن الحسین اپنے خاندان کے علمی حلقہ کو چھوڑ کر حضرت زید بن اسلم کے حلقۂ درس میں آکر بیٹھا کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر ایک دفعہ نافع بن جبیر بن مطعم نے ان سے پوچھا: "آپ اپنے خاندان کے علمی حلقوں کو چھوڑ کر حضرت عمر بن الخطاب کے غلام کے پاس کیوں بیٹھتے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۵۳
[2] شذرات الذہب جلد اول ص ۱۰۲
[3] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۸۴-۲۸۵
[4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۱۹

ہیں؟" حضرت زین العابدین نے جواب دیا، "انسان وہیں بیٹھتا ہے جہاں اسے اپنا دینی فائدہ نظر آتا ہے" [1]

حضرت زید بن اسلم کو حضرات امام احمد بن حنبل، ابوزرعہ، ابوحاتم اور نسائی نے ثقہ قرار دیا ہے۔ صحاح ستہ میں بھی آپ کی روایات مذکور ہیں۔ تاہم بعض علماء نے ان پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ اپنی رائے سے قرآن کریم کی تفسیر کرتے تھے۔ چونکہ اس زمانے میں بعض علماء تفسیر بالرائے کو مستحسن نہیں سمجھتے تھے اس لیے وہی یہ اعتراض کرتے تھے انہیں میں حضرت عبیداللہ بن عمر بھی شامل تھے۔

یہ حضرت عبیداللہ کی اپنی ذاتی رائے ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین کی ایک کثیر تعداد ضرورت کے وقت تفسیر بالرائے کو جائز سمجھتی تھی بلکہ بوقت ضرورت فقہی مسائل اور تفسیر آیات میں اپنے ذاتی اجتہاد سے کام لیا کرتی تھی۔ حضرت زید بن اسلم نے بھی ایک تفسیر لکھی تھی جو بخط سکری ابن الندیم کے زمانے تک موجود تھی [2] علامہ ابن حجر عسقلانی بھی آپ کو عالم تفسیر تسلیم کرتے ہیں [3] حضرت زید بن اسلم کے ممتاز شاگردوں میں، جنہوں نے آپ کے تفسیری سرمایہ کی اشاعت کی، آپ کے فرزند حضرت عبدالرحمن بن زید اور امام مالک شامل ہیں۔ امام مالک آپ کے تلمیذ خاص تھے۔ انہوں نے موطا میں کثیر روایات آپ کے واسطے سے بیان کی ہیں۔ نیز یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ امام مالک نے بھی ایک تفسیر لکھی تھی لہذا ان کی مبینہ تفسیر بھی غالباً انہی سے مروی ہوگی۔ امام ابن تیمیہ نے بھی ایک مقام پر اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

آپ کی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی [4]

عراق کے مفسرین

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے بعد تیسرے درجے پر عراق کا مرکز تفسیر ہے۔ حضرت عمر فاروق رض نے کوفہ اور بصرہ دو فوجی چھاؤنیاں عراق میں قائم کیں، جو آگے چل کر اسلامی تہذیب و ثقافت کا مرکز بن گئیں۔ جب حضرت عمر فاروق نے حضرت عمار بن یاسر کو وہاں کا گورنر بنا کر بھیجا تھا تو ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود کو بھی روانہ کیا تاکہ وہ وہاں معلم کی حیثیت سے کام کریں۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۱۹
[2] کتاب الفہرست از ابن الندیم ص ۵۱ مطبوعہ مطبع رحمانیہ مصر ۱۳۴۸ھ
[3، 4] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۵، ۳۹۷۔

لہٰذا حضرت عبداللہ بن مسعود کوفہ میں آ کر حضرت عمر فاروق کے حکم کے مطابق تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گئے آپ کی تعلیم و تدریس نے علماء کا ایک وسیع حلقہ پیدا کیا جس نے فقہ حنفی کی بنیاد ڈالی۔ یہ لوگ بہت بڑے فقیہہ اور محدث تھے۔

عراق کے مشہور تابعی مفسروں میں سے مندرجہ ذیل مفسرین کے مختصر حالات بیان کیے جاتے ہیں:۔

علقمہ بن قیس نخعی، مسروق، شعبی، حسن بصری، قتادہ بن دعامہ السدوسی۔

حضرت علقمہ بن قیس آپ حضرت عبداللہ بن مسعود کے تلمیذ خاص اور ان کے علم کے سب سے بڑے راوی تھے۔ آپ ان کے علم کے سچے جانشین ثابت ہوتے۔ خود حضرت عبداللہ بن مسعود فرمایا کرتے تھے "جو کچھ میں نے بیان کیا ہے یا مجھے معلوم ہے، علقمہ ان سب سے بخوبی واقف ہیں"

حضرت علقمہ اپنے استاد کی تفسیری روایات کے جامع تھے اور آپ کے ذریعے یہ روایات اسلامی ممالک کے کونے کونے میں پھیلیں۔ آپ کوفہ کے بہت بڑے محدث اور فقیہہ تھے۔ آپ کی روایات نہایت معتبر ہیں۔ صحاح ستہ میں آپ کی روایات مذکور ہیں۔ آپ کی وفات نوے سال کی عمر میں ۶۱ھ میں ہوئی [۱] فقہ حنفی کے بانی حضرت ابراہیم نخعی آپ کے تلمیذ تھے۔

حضرت مسروق آپ کا پورا نام اور کنیت یہ ہے: ابو عائشہ مسروق بن الاجدع بن مالک الھمدانی الکوفی۔ آپ نے چاروں خلفائے راشدین اور دیگر مشہور صحابہ سے تعلیم حاصل کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے آپ شاگرد رشید تھے۔ کوفہ کے مشہور قاضی شریح پیچیدہ معاملات میں آپ سے مشورہ کرتے تھے۔ تمام علماء اور محدثین نے آپ کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے۔ تفسیر کا علم آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے حاصل کیا اور اپنے استاد کی معلومات کی اشاعت کی۔ آپ کی وفات ۶۲ھ میں ہوئی [۲]

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۷۶ - ۲۷۸

[۲] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۰۹ - ۱۱۱

حضرت شعبی حضرت ابو عمرو عامر بن شراحیل شعبی حمیری کوفہ کے قاضی اور جلیل القدر تابعی عالم تھے۔ آپ نے پانچ سو صحابۂ کرام سے ملاقات کی اور اڑتالیس صحابۂ کرام سے خصوصی طور پر تعلیم حاصل کی۔ تمام علما نے آپ کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے۔ آپ جامع علوم تھے یعنی حدیث، تفسیر اور فقہ کے علاوہ آپ مغازی، تاریخ و سیرت اور عربی شعر و ادب کے ماہر بھی تھے۔ آپ نے تحصیلِ علم کے لیئے دور دراز کا سفر کیا۔ آپ کا حافظہ اس قدر قوی تھا کہ جو بات آپ ایک دفعہ سنتے تھے، وہ فوراً حافظہ میں محفوظ ہو جاتی تھی۔ اسے لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ آپ صحابۂ کرام کی زندگی ہی میں فتوے دینے لگے تھے اور آپ کا حلقۂ درس بھی بہت وسیع ہو گیا تھا۔ آپ قرآن کریم کے نہایت محتاط مفسر تھے اور تفسیر بالرائے کے مخالف تھے۔ طبری کی روایت ہے:۔

"شعبی کا قول ہے" تین چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں زندگی بھر اپنی طرف سے کچھ نہیں کہونگا "قرآن کریم - روح اور رائے" [1]

قرآن کریم کی تفسیر میں آپ کے محتاط ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ اس زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے جو پوری ذمہ داری کے ساتھ تفسیر نہیں کرتے تھے۔ مشہور مفسر ابو حیان فرماتے ہیں:۔

"شعبی سدی کی تفسیر کو پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ سدی اور ابو صالح دونوں اس فن میں کوتاہ نظر ہیں، اس کے باوجود وہ دونوں لوگوں کے سامنے تفسیر بیان کرتے ہیں [2]

ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ: "امام شعبی جب ابو صالح باذان کے پاس سے گزرتے تھے تو ان کا کان پکڑ کر مروڑتے تھے اور فرماتے تھے:۔ "تم قرآن کریم کی تفسیر بیان کرتے ہو، حالانکہ تم قرآن کریم نہیں پڑھتے ہو" [3]

ابن جریر صالح بن مسلم سے روایت کرتے ہیں: "حضرت شعبی ایک دفعہ سدی کے پاس سے گزرے۔ اس وقت آپ تفسیر بیان کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: اگر تمہاری پیٹھ پر طبلہ بجایا جائے تو یہ فعل اس کام سے

---

[1] مقدمہ تفسیر ابن جریر ج ۱ ص ۲۸

[2] البحر المحیط ج ص ۱۳۔

[3] تفسیر ابن جریر ج ۱ ص ۳۰۔

بہتر ہے جو تمہاری مجلس میں ہو رہا ہے[۱]

امام شعبی اور دیگر علماء سدی اور ابوصالح کی تفسیری روایات کو معتبر نہیں سمجھتے۔ اس لیے ہم نے بھی ان دونوں حضرات کو قرن اول کے مفسرین کی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔ حالانکہ بعض تفسیروں میں ان دونوں کی روایات پائی جاتی ہیں اور سدی نے ایک تفسیر بھی لکھی تھی۔

امام شعبی کی شخصیت سیاسی طور پر بھی بہت اہم تھی۔ بنو امیہ کے خلفاء آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ چونکہ بہت بڑے عالم کے باوجود آپ نہایت بذلہ سنج اور خوش طبع بھی تھے اس لیے خلیفہ عبدالملک آپ کی گفتگو سے بہت محظوظ ہوتا تھا۔ جب حجاج بن یوسف کے خلاف ابن الاشعث نے بغاوت کی تو اکثر علماء اور محدثین نے اس کا ساتھ دیا۔ حضرت شعبی بھی اس کے سرگرم کارکن تھے مگر جب دیر جماجم کی جنگ میں ابن الاشعث کو شکست ہوئی تو آپ رُوپوش ہو گئے تھے اور آخر کار حجاج نے ان کی خطا معاف کر دی تھی۔

خلیفہ عبدالملک آپ کی شخصیت سے اس قدر متاثر تھا کہ اس نے شاہِ روم کے پاس آپ کو سفیر بنا کر بھیجا وہاں آپ نے اس قدر قابلیت کے ساتھ گفتگو کی کہ شاہ روم آپ سے بہت متاثر ہوا۔ اسی قسم کی خدمات کی وجہ سے خلفاء کی طرف سے آپ کو دو ہزار سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔

آپ بہت بڑے محدث بھی تھے۔ حدیث و فقہ میں آپ کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ آپ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے استاد تھے۔ آپ نے امام زہری سے پہلے فقہی ابواب پر حدیث کا مجموعہ مرتب کیا تھا۔ کیونکہ آپ سے یہ قول منقول ہے۔

هذا باب من الطلاق جسيم[۲] یہ باب طلاق کا بہت بڑا ہے

اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہدِ خلافت میں تمام مشہور علماء کو بالعموم اور ابوبکر بن حزم انصاری قاضیٔ مدینہ کو بالخصوص قرنِ اول کے ختم ہونے پر احادیث کے مجموعے مرتب کرنے کا حکم دیا تھا تو اس وقت آپ نے قاضی ابوبکر بن حزم اور زہری سے پہلے فقہی ابواب

---

[۱] تفسیر ابن جریر صفحہ ۳ ج ۱
[۲] الراوی از علامہ سیوطی ص ۴۴ ۳

پر احادیث کا مجموعہ مرتب کر لیا تھا کیونکہ آپ کی وفات ان دونوں حضرات سے پہلے ہوئی تھی۔ اس طرح آپ کو یہ فخر حاصل ہے کہ آپ ہی نے سب سے پہلے فقہی ابواب پر باضابطہ مجموعۂ حدیث مدون کیا۔

آپ کی تاریخِ ولادت اور تاریخِ وفات دونوں میں اختلافِ روایات ہے۔ تاہم مشہور اور صحیح تر روایت یہ ہے کہ آپ سنہ ۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۰۹ھ میں وفات پائی۔[1]

بصرہ کے مفسرین

حضرتِ حسن بصری —— آپ کا پورا نام یہ ہے: ابو سعید حسن بن ابو الحسن یسار بصری۔ آپ انصار کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ کی والدہ خیرہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کی آزاد کردہ کنیز تھیں۔ طبقات ابن سعد میں مذکور ہے: "آپ سنہ ۲۱ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے وادی القریٰ میں نشو و نما پائی۔ تعلیم سے فارغ ہو کر آپ ایک بہت بڑے واعظ اور جادو بیان مقرر بنے۔ آپ کا وعظ سوز و گداز میں ڈوبا ہوا ہوتا تھا اور سامعین پر اس کا گہرا اثر ہوتا تھا۔"

جس وقت آپ پیدا ہوئے اس وقت آپ کی والدہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں مشغول رہتی تھیں اور بعض اوقات آپ کو چھوڑ کر وہ کام کاج میں مصروف ہوتی تھیں۔ اس موقع پر جب دودھ پینے کے لیے آپ چلاتے تھے تو بعض اوقات حضرت ام سلمہ کی رضاعت کا آپ کو شرف حاصل ہوتا تھا۔

آپ نے حضرات عثمان، علی، ابو موسیٰ اشعری، ابن عمر، ابن عباس، انس بن مالک اور دیگر صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام سے تعلیم حاصل کی۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ کتاب اللہ، سنتِ نبوی اور حلال و حرام کے احکام سے بخوبی واقف ہو گئے۔ عربی زبان و ادب میں بھی آپ کو مہارتِ تامہ حاصل تھی۔

محدثین اور علماء کے تمام طبقوں نے آپ کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے۔ صحاحِ ستہ میں آپ کی روایات مذکور ہیں۔ تصوف اور علمِ باطن میں آپ تمام اولیاء اللہ اور صوفیوں کے سرتاج ہیں کیونکہ تصوف کے تمام سلاسل کا آغاز آپ سے ہوتا ہے اور صوفیوں کے نزدیک آپ کو براہِ راست حضرت علی رضی اللہ عنہ سے باطنی فیض حاصل ہوا تھا۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۵ - ۶۹

ظاہری علوم میں بھی آپ تمام محدثین بصرہ کے استاد تھے اور ایک دو شخصیتوں کو چھوڑ کر دنیائے اسلام میں آپ اور محمد بن سیرین اپنے زمانے کے سب سے بڑے تسلیم کیے جاتے تھے۔ آپ مجتہد کامل بھی تھے، آپ کا اجتہاد حضرت عمر فاروق کے اجتہاد کے مشابہ ہوتا تھا۔ مشہور صحابی حضرت انس بن مالک، جو بصرہ کے علما کے شیخ اکبر تھے، بالعموم یہ فرمایا کرتے تھے، "تم حسن سے جا کر شرعی احکام معلوم کرو کیونکہ انہیں یہ سب مسائل معلوم ہیں اور ان کے حافظے میں محفوظ ہیں، جہاں تک ہماری ذات کا تعلق ہے، ہم اب انہیں بھول گئے ہیں"۔

مطر الورّاق فرماتے ہیں: "پہلے جابر بن زید بصرہ کے بڑے عالم تھے مگر جب حسن بصری نمودار ہوئے تو ایسا معلوم ہوا کہ عالم آخرت سے ایک شخص آ کر وہاں کے چشم دید حالات بیان کر رہا ہے"۔

حضرت محمد باقر بن حضرت زین العابدین فرماتے ہیں:۔

"حسن بصری ایسے شخص ہیں جن کا کلام انبیاء کرام کے کلام سے مشابہ ہے"۔

آپ علم تفسیر کے ماہر بھی تھے اور تفسیر کا درس بھی دیتے تھے۔ ابن خلکان لکھتا ہے: "معتزلہ کے بہت بڑے عالم عمرو بن عبید نے (جو امام حسن بصری کا شاگرد تھا) آپ کی روایات پر مبنی ایک تفسیر لکھی تھی"[1] اس بیان کی تائید کتاب الفہرست از ابن ندیم سے بھی ہوتی ہے[2] آپ کے درس تفسیر کا ثبوت آپ کے تلمیذ خاص حمید الطویل کی روایت سے ملتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

"میں نے حسن بصری کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کی تو آپ نے اس کی تفسیر اس طرح بیان کی کہ اس سے تقدیر کا ثبوت ملتا تھا بلکہ آپ فرمایا کرتے تھے:

"جو شخص تقدیر کو جھٹلائے وہ کافر ہے"۔

آپ اپنے زمانے کے سیاسی ہنگاموں سے الگ تھلگ رہے۔ آپ نے ابن الاشعث کی شورش میں بھی حصہ نہیں لیا۔ البتہ حکام کے سامنے کلمۂ حق کہنے سے گریز نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں مخلصانہ

---

[1] وفیات الاعیان از ابن خلکان ج ۲ ص ۳

[2] کتاب الفہرست از ابن ندیم ص ۵۱

نصیحتیں کیا کرتے تھے۔

آپ نے ۱۱۰ھ میں وفات پائی اس وقت آپ کی عمر اٹھاسی سال تھی[1]

ایک روایت یہ ہے کہ آپ نے ۱۱۶ھ میں وفات پائی۔

حضرت قتادہ | آپ کا اسم گرامی ابوالخطاب قتادہ بن دعامہ السدوسی ہے۔ آپ خالص عرب تھے اور بصرہ کے رہنے والے نابینا عالم تھے۔

آپ نے حضرات انس بن مالک، ابن سیرین، حسن بصری، عکرمہ اور عطا بن ابی رباح سے روایت کی ہے۔ مدینہ منورہ میں جاکر آپ نے حضرت سعید بن المسیب سے علم حدیث حاصل کیا۔ ایک دفعہ جب حضرت سعید بن المسیب نے آپ کی حدیث دانی کا امتحان لینا چاہا تو آپ نے بے شمار احادیث مختلف روایات سے سنا ڈالیں۔ اور آپ کے استاد حیران رہ گئے۔ سب سے عجیب وغریب بات یہ ہوئی کہ آپ نے آٹھ دن میں حضرت سعید بن المسیب جیسے علامۂ دہر کے وسیع علم کو بہ تمام وکمال حاصل کرلیا اور انہیں مجبور ہوکر یہ کہنا پڑا کہ ان کا علم ختم ہوگیا ہے۔ لہذا آپ وہاں سے چلے گئے۔

آپ حضرت حسن بصری کے تلمیذ خاص تھے اور بارہ برس تک ہر وقت ان کے ساتھ رہے۔ ان کی صحبت سے آپ کو بہت فائدہ پہنچا اور آپ بہت بڑے عالم، مفسر اور محدث ہوگئے۔

چونکہ آپ کا حافظہ بہت قوی تھا اس لیے اسلامی علوم کے علاوہ آپ کو اشعار عرب اور عربوں کے گزشتہ واقعات اور ان کے حسب ونسب کی تفصیلات خوب یاد تھیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تمام علوم کی مدد سے آپ نے علم تفسیر میں مہارت تامہ حاصل کرلی۔ آپ قرآن کریم کے معانی کی اچھی طرح تشریح کرتے تھے اس لیے مشکل معانی کی تشریح میں مفسرین نے آپ کی روایات پر بے حد اعتماد کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: "قتادہ تفسیر کے بڑے عالم ہیں"[2]

امام احمد بن حنبل کے علاوہ حضرات سعید بن المسیب اور زہری نے بھی آپ کو اپنے زمانے کے

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۶۳-۲۷۰　　[2] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۰۹

دیگر علماء پر ترجیح دی ہے بلکہ صحاح ستہ کے محدثین نے آپ کی روایات کو بکثرت بیان کیا ہے۔

تفسیر قرآن کریم کے سلسلے میں حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔

"قرآن کریم کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کی تفسیر میں نے (اپنے استادوں سے) نہ سنی ہو۔"

اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت قتادہ کی تفسیری روایات محض ان کی رائے اور فکر کا نتیجہ نہیں ہوتی تھیں بلکہ ان کی بنیاد احادیث ماثورہ اور اقوال صحابہ پر ہے۔

آپ کے مشہور ترین تلامذہ میں حضرات شعبہ، ایوب سختیانی، امام اوزاعی اور مفتی بصرہ سعید بن ابی عروبہ ہیں۔

آپ کی وفات ۱۱۷ھ یا بقول بعض ۱۱۸ھ میں ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر چھپن سال تھی۔[۱]

"علوم حدیث میں سے ایک قرآن کی تفسیر اور اس سے استنباط کرنے کا علم ہے بے شک یہ بہت بڑا علم ہے۔ ہم یہاں اختصار کے طور پر اس کو تھوڑا سا بیان کرتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بعض چیزیں کسی تعین اور خاص تشریح کے بغیر عمومی اور مطلق پیرایہ میں بیان کر دی ہیں۔ جیسے صلوٰۃ اور زکوٰۃ۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ سبح اسم ربك الاعلیٰ و سبح بحمد ك وغیرہ۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا کہ صلوٰۃ کا ذکر قرآن مجید میں مطلق تھا۔ آپ نے اس کے لیئے وقت معین فرما دیے۔"

"خیر کثیر"

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۵۱ - ۳۵۶